

مولانا فراہی کا ایک نادر غیر مطبوعہ خط

ڈاکٹر شرف الدین اسلامی

مولانا فراہی کی حیات و خدمات پر ایک تحقیقی مقالہ مرتب کرنے کا منصوبہ مجھے ادارے کی طرف سے تفویض ہوا تو علمی حلقوں میں اس کا غیر مقدم کیا گیا مگر مجھے روز ازل سے یک گوشہ نائل اور قدر سے تردد سارہا اس لئے کہ راستے کی مشکلات اور علمی دشواریوں کا مجھے شروع ہی میں اندازہ ہو گیا تھا۔ پاکستان میں مواد کی نایابی اور ہندوستان کے محفوظ حاصل پابندیوں کے پیش نظر اس منصوبے پر کوئی ڈھنگ کا کام کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن نظر آتا تھا۔ پھر بھی میں نے اس کام کا بیڑا اٹھانے کی جرأت کی۔ ابھی یہ کہنا تو مشکل ہے کہ میں اپنے نقشے اور معیار کے مطابق اس منصوبے کی تکمیل میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ بہر حال میری اس جرأت زندان کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ میں نے بہت سی ایسی چیزیں تلاش کر ڈالیں جن کا سراغ لگانا آسان نہ تھا۔ گذشتہ دو برسوں میں میں نے ہندوستان کے دو سفر کئے۔ ہندوستان میں نقل و حرکت کی پابندیوں کے باوجود میں نے تلاش و جستجو میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جو زندہ یا بندہ۔ من مجدد۔ ان حضوروں میں بہت کچھ ہاتھ آیا۔ بعض ایسی دستاویزوں تک رسائی ہوئی جن کے ملنے کی بظاہر کوئی توقع نہ تھی۔ فالمراد علی خاں کے ان میں سے بعض چیزیں جو زیادہ نادر اور اہم ہیں اور جن کے ضیاع کا اندیشہ ہے سو جا بجا تاخیر ان کو فرو نظر کے صفحات میں محفوظ کر دیا جائے، مقالے کی ترتیب و اشاعت کے انتظار میں ان کو روکے رکھنا غیر ضروری ہی نہیں نقصان دہ نظر آیا۔

باقیات فراہی کی تلاش میں مجھے سب سے زیادہ ناکامی ان کے خطوط کے حصول ہی ہوئی۔ سوانح حیات اور علمی خدمات کی ترتیب میں خطوط کو جو اہمیت حاصل ہے اس کے پیش نظر میں نے نہایت سرگرمی سے ان کی تلاش کی مگر ان کی کچھ آخر تک کوئی قابل ذکر کامیابی نہیں ہوئی۔ اکا دکا خطوط کامل جاننا خوشی کی بات ہے اس سے مفصل عمل نہیں ہوتا۔

یہ خیال کہ مولانا نے خطوط لکھے ہی کم ہوں گے درست معلوم نہیں ہوتا۔ فرہادی کے نام شبلی کے خطوط چھپ چکے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے شبلی کے نام فرہادی کے خطوط کی اہمیت کا باعتبار کیف و کم بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ صاف نظر آتا ہے کہ فرہادی نے کثرت سے خطوط لکھے، مفضل اور طویل خطوط لکھے، ان میں کتنے ہی اہم علمی مسائل پر گفتگو اور بحث تھی۔ کاش مولانا فرہادی کے ایڑوں اور جانچینوں نے بدوقت اس طرف توجہ کی ہوتی۔ غدا ہی جانے یہ علمی سرمایہ ناقدری زمانہ کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لئے تلف ہو گیا یا کہیں دفن کسی کو حکم کی آمد کا منتظر ہے۔ لعل اللہ محدث بعد فالک امر۔

ہندوستان کے سفر میں جو خطوط ہاتھ لگے ان میں سے ایک خط سردست بصورت عکس تاریخ کی نذر ہے۔ یہ خط علمی اعتبار سے کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں پھر بھی اس سے فرہادی کی شخصیت اور کردار کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔ مولانا کی شخصیت پر دین اور دینی تعلیمات کا جو اثر تھا اس کا پرتلاش تپ کی ہر ہر سطر سے نمایاں ہے اس خط کے لئے میں مدرسۃ الاصلاح مدرسے میر کے نائب ناظم احمد محمود صاحب کا شکر گزار ہوں۔ یہ خط اس وقت انہی کی ملکیت ہے۔ احمد محمود صاحب مدرسۃ الاصلاح میں میرے ہم جماعت رہ چکے ہیں۔

ما و مجوزں ہم سہتی پوریم در دیوان عشق
اوبصحرارت وما در کو چہار سوا شدم

زمانہ طالب علمی سے میرے اوردان کے درمیان ایک طرح کا خصوصی ربط و تعلق ہے۔ نہیں معلوم انہوں نے اس دیرینہ تعلق کا پاس کیا یا ان کی شرافت نفس نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنی متاع عزیز یوں ایک پردیسی کے حوالہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ انہوں نے جس طرح اس خط کو حرز جاں بنا کر رکھ رکھا تھا واقعہ یہ کہ اسے میرے حوالہ کر کے انہوں نے بڑے ایشاد کا ثبوت دیا۔ انہوں نے اس شرط پر پاکستان لانے کی اجازت بھی دے دی کہ میں کام لینے کے بعد اصل بحفاظت انہیں واپس کر دوں گا۔ انہوں نے مجھ پر اعتماد کیا اور میں نے ان کے اقتدار کو مجروح نہیں کیا۔

ہر چند کہ اس خط کی استنادی حیثیت مسلم تھی پھر بھی میں نے احمد محمود صاحب سے سوالات کر کے اس کی پوری تاریخ معلوم کی۔ احمد محمود صاحب خود اصلاحی ہیں اور آج کل اس مدرسہ کے نائب ناظم ہیں، مولانا فرہادی حین حیات جس کے ناظم رہے، اس لئے فرہادی کے ساتھ ان کی نسبت اور فرہادی کے خط کے ساتھ ان کی دلچسپی سمجھنا آسان کی غماز نہیں۔ رہا یہ سوال کہ یہ خط ان تک کیسے پہنچا۔ تو انہیں یہ خط اپنے مسرالی عزیزوں سے ملا۔ یہ خط حکیم یوسف صاحب کے خاندان میں تھا۔ جن کی فراموشی احمد محمود صاحب سے منسوب ہیں۔ حکیم صاحب شبلی

کچھ ہم وطن اور قرابت دار تھے۔ شبلی اور فراہی کے خاندانوں میں کئی پشتوں سے دو طرفہ تعلقات اور رشتہ داروں کا سلسلہ ہے۔ حکیم یوسف فراہی کے شاگرد بھی تھے۔ فراہی کی ایک ہوتی حکیم یوسف کے ایک لڑکے سے بیاہی گئی۔ وغیر ذالک۔

یہ خط مولانا نے ۱۹۰۴ء میں کراچی سے اپنے صاحبزادے محمد سجاد صاحب کو لکھا۔ سجاد صاحب انہی جنمات ہیں۔ گو ان کی عمر اتنی (۸۰) سے متجاوز ہو چکی ہے مگر کے لحاظ سے ان کی محنت اچھی ہے۔ یہ خط میرے ہاتھ آیا تو میں نے ان کے گاؤں جا کر انہیں دکھایا۔ انہوں نے تصدیق کی کہ خط ان کے والد کا ہے اور انہی کے نام ہے انہوں نے مجھے ایک تحریر بھی لکھ کر دی جو کاغذات میں کہیں گم ہو گئی اور تلاش کے باوجود نہیں ملی۔ خط کے کاغذ، روشنائی، مضمون اور تحریر، ہر بات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ خط انہی کے ہاتھ کا ہے۔ خط کی تحریر بڑی پاکیزہ کماں اور پختہ ہے۔ مولانا کے مسودوں کی تحریر کا انداز بھی تقریباً یہی ہے۔ پنسل سے لکھے ہوئے مسودوں کی اصل وارو حمید میں محفوظ ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ صفحات کے صفحات اسی طرح خوب صورت اور خوشخط انداز پر لکھتے چلے جاتے ہیں۔ سطری ایسی سیدھی اور برابر ہوتی ہیں جیسے کہ سانچے میں ڈھلی ہوں۔ یہ خط دفات سے ۲۵ سال پہلے کا ہے اس لئے اس میں قلمی مسودات کی نسبت مسوری نظم و انضباط کم ہے۔

خط کی تاریخ اور ظاہری پہلوؤں کے بعد خط کے متن اور معنوی پہلوؤں پر نظر ڈالیں تو اس میں کئی باتیں توجہ کو اپنی طرف مبذول کرتی ہیں۔ القاب میں نور چشمی، نور نظر، قرۃ العین، لخت جگر، برخوردار وغیرہ کی بجائے سید سے سادے طریقے پر "عزیزین" سے خط کا آغاز کرتے ہیں۔ معاشرتی طور پر دستور سابقین کی ہے کہ خط میں جہل کو سلام کی بجائے دعائیہ کلمات سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً طویل عمر، خوش رہو وغیرہ۔ لیکن مولانا ایک بچے کو بھی مسنون طریقے پر "اسلام علیکم" لکھتے ہیں۔ معروف اور مروج طریقوں سے ہٹ کر وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جس میں ارشاد رسول "انشوا السلام کی تعمیل اور اتباع سنت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کے بعد خط کے متن پر نظر کریں تو اول تا آخر ایک ایسے مسلمان باپ کی تصویر سامنے آتی ہے جو اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت، اسلامی خطوط پر کرنے کے لئے فکر مند بلکہ کوشاں نظر آتا ہے۔ ہزاروں میل دور رہ کر بھی انہیں نہ صرف بچوں کی تعلیم کا خیال ہے بلکہ صحیح دینی تربیت کا بھی۔ بڑھنے لکھنے کی عام باتوں سے لے کر نماز تک کے لئے تاکیدیں تلفین ہے۔ دیندار

مسلمان گھرانوں میں بچے کو سات سال کی عمر سے نماز کی تاکید شروع ہو جاتی ہے۔ بلکہ ضرورت پڑنے پر بچے کو بدنی نماز بھی دیتے ہیں۔ یہ خط جس وقت لکھا گیا سجاد صاحب کی عمر سات سال ہو چکی تھی۔ ۱۸۹۶ء ان کا سن پیدا ہونے سے بات کہنے کے انداز کو دیکھیں تو خطاطوں الناس علی قدر عقولہم کے برعکس اسلوب کی جھلکیاں بھی اس خط میں صاف نظر آئیں گی۔ زبان اور مطالب دونوں پہلوؤں سے اس کا لحاظ ان کے مد نظر ہے۔ وہ ہفت سالہ بچے سے اس کی سطح پر اتار کر بات کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ اسی میں اسے اس کی سطح سے اوپر اٹھانے کے اہتمام کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس عمل میں حزم و احتیاط کے وہ تمام نکتے ان کے پیش نظر رہتے ہیں جو کسی نرم و نازک شے کو برتنے میں ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

مولانا شاعر بھی تھے۔ شاعری میں انہوں نے زیادہ تر مصنفِ قصیدہ کو ہی برتا ہے۔ قصیدے میں ایک چیز گریز ہوتی ہے۔ مطلع کے بعد تشبیہ سے گذر کر جب شاعر مدح پر آتا ہے تو تشبیہ اور مدح کو ملانے والی بیچ کی گریز کہلاتی ہے۔ گریز شاعر کے لئے ایک دشوار گزار گھاٹی ہوتی ہے۔ اور اس گھاٹی کو عبور کرنے میں اس کی فنِ مہارت کا امتحان ہوتا ہے۔ مولانا نے اس خط میں ایک جگہ بڑی خوبی سے نہیں معلوم شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر، مصنفِ قصیدہ والے گریز کا استعمال کیا ہے۔ ”جس قدر تم کو مجھ سے ملنے کا شوق ہے اسی قدر یا اس سے زیادہ مجھ کو تم سے ملنے کا شوق ہے۔“ ایک انسان سے ایک انسان کے ملنے کا شوق یا علاء تضافت رکھنے والے باپ بیٹے کا ایک دوسرے سے ملنے کا شوق ایک معمولی بات سے زیادہ نہیں۔ اس سے فائدہ اٹھا کر مولانا نے کس طرح خدا اور بندے کی ملاقات کا مضمون پیدا کیا ہے اہل نظر اور اصحابِ ذوق ہی اس کی داد دے سکتے ہیں۔ ”جو بندہ خدا سے ملنے کا شوق رکھتا ہے اس سے زیادہ خدا اس سے ملنے کا شوق رکھتا ہے۔“

مولانا کے حالات زندگی میں یا ان کی تحریروں میں تصوف کا ذکر نہیں ملتا اور یہ پتا نہیں چلتا کہ تصوف کے بارے میں ان کا نظریہ یا عملی رویہ کیا تھا، بہر حال اسلام سے الگ اسلامی تصوف یا روحانیت نام کی کوئی چیز اگر خارج ہیں اپنا وجود رکھتی ہے تو ایک صحیح فکرِ مسلمان کے نقطہ نظر سے اس کا اطلاق جس بات پر ہو سکتا ہے اس کا عکس اس خط میں دیکھا جاسکتا ہے۔ باپ بیٹے کے شوقِ ملاقات کے ذکر سے خدا اور بندے کی ملاقات اور دو طرفہ تعلق کی بات پیدا کر کے نماز کی طرف توجہ اور خدا کے متعلق سلسلہ تعلقین کا موقع کمان کسی ایسے دل دماغ ہی

کا کام ہو سکتا ہے جس میں دین کے سوا کسی اور چیز کے لئے جگہ نہ ہو۔

تصنیف و تالیف میں مولانا نے عربی کو ذریعہ اظہار خیال بنایا ہے۔ فارسی میں بھی بعض چیزیں مل جاتی ہیں۔ لیکن اردو اس لحاظ سے محرومی کا شکار رہی۔ مگر جہاں تک خطوط کا تعلق ہے بالعموم وہ اردو ہی میں لکھتے تھے۔ ان کے اردو خطوط مل جائیں تو زبان و ادب کے اعتبار سے ان کا مطالعہ تاریخ ادب اردو، بالخصوص اردو مکتوب نگاری کی ایک کڑی کی حیثیت سے یقیناً دلچسپ اور مفید ہوگا۔ زیر بحث خط ایک کس بچے کے نام ہے پھر بھی اردو زبان و ادب کے پارکھ زبان و بیان کے لحاظ سے اس خط کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مولانا کی زبان اسلوب بیان اور طرز تحریر پر تفصیل سے پھر کہیں لکھا جائے گا۔ بالفعل اس طرف اشارہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

اس خط میں ایک اور بات قابل توجہ مولانا کی طرز اظہار ہے۔ خاص کر وہ مقامات جہاں موجودہ طرز اظہار سے انحراف ہے۔ ہائے ہوز مخلوط وغیرہ مخلوط لکھنے میں انہوں نے کسی ایک قاعدے کی پابندی نہیں کی ہے۔ ایک طرف وہ تمہارا، بھیجے، مجھ، تھی، لکھنا، پڑھنا، ڈیڑھ، بھی، رکھنا چھپ، سکھلانا، دیکھنا جیسے الفاظ میں ہائے مخلوطی (دو چشمی) نہیں لکھتے تو دوسری طرف نہایت جیسے الفاظ میں دو چشمی لکھتے ہیں۔ جبکہ کوئی بھی، ہاں چاہئے، مہینے، میاں، یہی، ظاہر، رہیں، ہیں میں انہوں نے دو چشمی نہیں لکھی ہے۔

ایک اور فرق یائے معروف اور یائے مجهول کے استعمال میں نظر آتا ہے۔ اس خط میں ہے "یائے معروف کے ساتھ بھی ہے اور یائے مجهول کے ساتھ بھی۔"

یائے معروف و یائے مجهول میں وہ دو نقطے لگاتے ہیں۔ مثلاً، مرے ہی (ہے) دیے، ڈالیے۔ اس کو اس یعنی واو کے ساتھ لکھا ہے۔

کہیں کہیں دو لفظوں کو ملا کر لکھا ہے مثلاً تم نے (تم نے) جھکو (جھکی) بگڑنیکا (بگڑنے کا) تمکو (تم کو) مجھے (مجھ سے) اسقدر (اوی قدر) چھپکر (چھپ کر) وغیرہ

خط کا متن

۱۶ اکتوبر ۱۹۷۳ء

عزیز من سجاد سلمہ

السلام علیکم۔ تمہارا خط طمانینہ ختم ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ تم لوگوں کو صحت بخشی۔ اب کی بار تم نے خط بھیجے ہیں دیر کی۔ مجھ کو امید تھی کہ تم جلد جلد خط لکھا کر دو گے۔

کاہنی پر لکھنا ضرور ہے۔ بگڑنے کا مضائقہ نہیں۔ ہاں پڑھنے اور لکھنے میں برابر محنت کرنی چاہیے۔ بلکہ لکھنے میں زیادہ۔

تمہارے لئے پاتوق میں نے قصداً نہیں بھیجا۔ مگر آؤں گا تو لیتا آؤں گا۔
ڈیڑھ مہینے کے بعد یہاں تعطیل ہوگی۔

جس قدر تم کو مجھ سے ملنے کا شوق ہے اسی قدر یا اس سے زیادہ مجھ کو تم سے ملنے کا شوق ہے۔ اور یہی حال خدا کا بھی ہے۔ جو بندہ خدا سے ملنے کا شوق رکھتا ہے اس سے زیادہ خدا اس سے ملنے کا شوق رکھتا ہے۔ نماز میں خدا بندے سے چھپ کر ملتا ہے۔ اگر وہ ظاہر ہو تو اس کی روشنی سے بندہ مر جائے۔ اس لئے ظاہر نہیں ہوتا۔ مگراں کے پاس ضرور آتا ہے۔ اور جو خوب دل لگا کر نماز پڑھتا ہے تو خدا کی خوشبو اس کو معلوم پڑتی ہے۔ اب تم کو چاہیے اپنا بدن اور کپڑا صاف رکھو اور نماز پڑھو۔ مولوی صاحب سے عرض کرو کہ تم کو نماز سکھلا دیں اور ہمیشہ یاد دلاتے اور نصیحت کرتے رہیں۔ میں بہت خوش ہوں گا جب سنوں گا کہ تم باقاعدہ نماز پڑھنے لگے۔ میں یہی دعا کرتا ہوں کہ خدا تم کو نیکی کا شوق دے۔ اور نماز کی محبت دل میں ڈالے۔ کیونکہ نماز سے تمام نیکیاں پیدا ہوتی ہیں۔

زیادہ دعا

محمد الدین

دیکھو خط جلد لکھنا۔

اصل خط کا عکس

۱۱ اکتوبر ۱۹۰۳ء

عزیز من سید صاحب

السلام علیکم - تمہارا خط ملا - تعاقب
 خوشی ہوئی - خدا کا شکر ہے کہ تم لوگوں کو
 صحت بخشی - اہل بارغمنی خط پہنچتی ہیں
 دیر کی - مجھ کو امید ہے کہ تم جلد جلد خط
 لکھا کرو گے -
 باپ پر لکھنا ضرور ہے - بھڑنیکا ضابطہ نہیں
 مان پڑھیں اور لکھیں میں برابر محنت کرنی
 چاہتی - جلد لکھیں میں زیادہ ۔

تجربہ ہی کو جا تو میں قصہ انہیں بھیجا۔ مگر
آدھا تو لیتا آؤنگا۔

دیڑھ مہینے کے بعد بیان تعطیل ہوئی۔

جس قدر تکو جھیس من کا شوق ہے اسقدر
با اوس سے زیادہ جھکو عس من کا شوق ہے

اگر کسی حال خدا کا پس ہی ہے جو بندہ خدا سے

من کا شوق رکھتا ہے اوس سے زیادہ

خدا اوس سے من کا شوق رکھتا ہے۔ نماز میں

خدا بندہ سے چپکے لہتا ہے اگر وہ ظاہر ہو تو

اوسکی روشنی سے بندہ مر جائے۔ اسلئے ظاہر

نہیں ہوتا مگر اوسکی پاس ضرور آتا ہے اور

جو خوب دل لگا کر نماز پڑھتا ہے تو خدا کی خوشبو

او سکو معلوم پڑا ہی ۔ اب تکو چاہی
 اپنا بون اور نیر اصف رہا اور نماز پڑھ
 حوالی صاحب سے عرض کر دے کہ تکو نماز سیکھا دین
 اور ہمیشہ یاد دلائی اور نصیحت کرتے رہیں
 میں بہت خوش ہونگا جب سنوٹا کرتا ہوں باقاعدہ
 نماز پڑھنے لگے ۔ میں ہی دعا کرتا ہوں
 کہ خداوند بھلی کا شوق دے ۔ اور نماز کی صحبت
 دل میں ڈالے ۔ کیونکہ نماز جیسے نام نیکان

پیدا ہوتی ہیں ۔ زاد دعا ۔

حمید الدین

دیکھو خط صید کتنا ۔